علوم سے بہرہ ور فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے جن لوگوں کو مولانا موصوف سے تعارف ہے انہیں بخوبی معلوم ہے کہ مولانا علمی دنیا میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔اسی سلسلہ میں ہم مولانا معین الدین لکھوی مہتمم جامعہ محمدیہ اوکاڑہ سے بھی امید رکھتے ہیں کہ وہ جماعتی مقاصد اور جماعت کی مرکزی درس گاہ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسی فراخدلی سے کام لیں گے جس کا ثبوت حاجی صاحب موصوف نے دیا ہے۔

معقولات اور علوم فقہ کی تعلیم و تدریس کے لیے مولانا داؤد غزنوی نے اپنے مدرسہ تقویۃ الاسلام کو مدرسہ کی بزرگ ترین ہستی یعنی مولانا شریف اللہ صاحب[۱] کے فیوض علمیہ سے محروم کر کے ان کی خدمات ایک سال سے جامعہ سلفیہ کے سپرد کر رکھی ہیں۔مولانا شریف اللہ صاحب کی ذات گرامی کسی تعریف کی محتاج نہیں ہندوستان بھر کے علمی حلقے ان سے بخوبی واقف ہیں مولانا صاحب تمام علوم بالخصوص فقہ۔اصول فقہ۔منطق۔فلسفہ۔کلام وغیرہ علوم میں استاذ الاساتذہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ہم شکر گزار ہیں کہ مولانا شریف اللہ صاحب نے بھی جامعہ سلفیہ لائل پور میں تشریف لے جانے کے متعلق ہماری گزارشات کو قبول فرما لیا ہے۔"

(ہفت روزہ الاعتصام ج ۸ شمارہ ۴۱ ۱۰ مئی ۱۹۵۷ء)

اگرچہ ۱۹۵۷ء کے شروع میں ہی جامعہ سلفیہ کی تعمیر کا آغاز ہو چکا تھا اور ۲۴ کمروں کا پہلا بلاک زیر تعمیر تھا لیکن اس عمارت میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ ناممکن تھا اس لیے سر دست تمام کلاسوں کا اجرا جامع اہل حدیث امین پور بازار میں کر دیا گیا۔ ۷ اشوال ۱۳۷۶ھ بمطابق ۱۸ مئی ۱۹۵۷ء

---

[۱] مولانا شریف اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے جامعہ سلفیہ میں میں نے دو تین سال پڑھا آپ معقولات کے امام اور سراپا شفقت تھے میں نے اس پوری مدت میں آپ کو کسی شاگرد پر ناراض ہوتے نہیں دیکھا طبیعت بالکل درویشانہ تھی آپ کو طلبہ سے بڑی ہمدردی تھی کچھ عرصہ آپ ہر روز شہر سے دو تین میل سفر کر کے آتے پیدل چلنے کی آپ کو عادت تھی آتے جاتے ہوئے کئی لڑکے آپ سے بعض اسباق پڑھتے مرحوم اگرچہ حنفی تھے لیکن تعصب نام کو نہ تھا جامعہ سلفیہ کی بزم علم اجڑی تو آپ جامعہ مدنیہ لاہور میں آ گئے اور لاہور میں ۳۰ اگست ۱۹۷۶ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

کو جامع اہل حدیث میں افتتاحی اجلاس ہوا جس میں حضرت سید داؤد غزنویؒ اور حضرت مولانا اسمٰعیل سلفیؒ نے اظہار خیال فرمایا اس کے بعد امام گوندلویؒ نے شیخ الجامعہ کی حیثیت سے بخاری شریف کا درس دیا جو آپ کا جامعہ سلفیہ میں پہلا درس تھا میں اس درس کے سامعین میں موجود تھا اور میں نے حضرت کی زیارت سب سے پہلے اسی موقع پر کی تھی۔ شرکاء اجلاس میں مقامی علماء اور معززین شہر کے علاوہ مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ۔ حاجی ابراہیم صدر بلدیہ گوجرانوالہ۔ میاں دین محمد صاحب پیٹی والے لاہور۔ میاں فضل حق صاحب حافظ آباد اور گردونواح کے بہت سے لوگ موجود تھے۔

ان تین بڑے اساتذہ حضرت حافظ صاحبؒ۔ مولانا شریف اللہ صاحبؒ اور مولانا عبدہ صاحب کے لیے جامعہ کے قریب تین مکان کرائے پر لیے گئے باقی اساتذہ کا مسجد ہی کے بعض کمروں میں رہائش کا انتظام کر دیا گیا اور جامعہ کے اہتمام کی ذمہ داری مولانا محمد صدیق صاحب کے متعلق تھی آپ کی رہائش اس وقت مسجد کے عقب میں ایک دو مکان چھوڑ کر تھی کلاسوں کا آغاز بڑے خوشگوار ماحول میں ہوا۔ مولانا عبدالحی صاحب کے علاوہ باقی تمام اساتذہ سے لڑکے مطمئن تھے۔ تعلیم کے علاوہ لڑکوں کے تفریحی پروگرام بھی ہوتے تے۔ ٹانڈلیانوالہ سے آنے والے لڑکے فٹ بال کے شوقین تھے جس وجہ سے جامعہ کی باقاعدہ فٹ بال ٹیم تھی۔ ایک تو مولانا محمد صدیق صاحب کی اور دوسرے مولانا محمد حسین طور مرحوم کی وجہ سے ٹانڈلیانوالہ کے علاقہ کے کافی لڑکے جامعہ میں آ گئے کیونکہ مولانا صدیق صاحب بھی اس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اس طرح مدرسہ میں واضح تعداد ایک خاص علاقہ کے لڑکوں کی ہو گئی۔ اس کی وجہ سے طلبہ میں علاقائی تعصب کا رنگ نمایاں ہونے لگا جس نے بڑی تکلیف دہ صورت حال پیدا کر دی۔

طلبہ میں بے چینی

علاقائی تعصب کے جراثیم نے لڑکوں کو دو متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا جس میں بعض اساتذہ بھی ملوث ہو گئے بدویت اور حضریت کی جاہلانہ بحثیں عام ہونے لگیں بلکہ ایک دفعہ اس موضوع پر بڑے لڑکوں میں مناظرہ بھی ہوا جس پر بدویت کی فضیلت میں متنبی کا یہ شعر پڑھا گیا جو مجھے اب تک یاد ہے۔

حسن الحضارة مجلوب بتطرية
وفي البداوة حسن غير مجلوب

اس کے جواب میں شہریت کی فضیلت میں سورہ یوسف سے والذی جاء بکم من البدو پڑھا گیا۔ مناظرہ اگرچہ خاصے اچھے اور خوشگوار ماحول میں ہوا اور اس کی صدارت بھی اس وقت کے ناظم تعلیمات مولانا محی الدین قصوری نے فرمائی لیکن اس کے پیچھے شعوری یا غیر شعوری طور پر وہی ذہن تھا جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اس باہمی کش مکش میں زیادہ تر بڑی کلاسوں کے لڑکے تھے جو مختلف مدارس سے اکٹھے ہو گئے اور کسی قدیم باہمی ربط کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے مانوس نہ ہو سکے۔ بڑے لڑکوں کی اس لڑائی سے مدرسہ بُری طرح متاثر ہوا۔ اسباق کے بار بار کے تعطل کی وجہ سے اکثر کتابیں ادھوری رہ گئیں بلکہ بعض سرے سے پڑھائی ہی نہ گئیں حضرت حافظ صاحبؒ عین وقت پر آتے اور سبق پڑھا کر گھر چلے جاتے اور یہی عادت مولانا شریف اللہ صاحبؒ کی تھی ان دونوں بزرگوں کی لڑکے دل سے عزت کرتے تھے اور انہوں نے کبھی مدرسہ اور طلبہ کے معاملات میں دخل نہیں دیا تھا۔ اسی شب و روز میں جامعہ کا دوسرا تعلیمی سال مکمل ہوا یکم مارچ سے چار مارچ ۵۸ئہ تک امتحان ہوا اور سالانہ تعطیلات ہو گئیں۔ اگلے سال جامعہ سے چھوٹی کلاسیں ختم کر دی گئیں میں واپس تاندلیانوالہ چلا گیا۔

اعلان

امام العصر علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید کی مشہور ترین تصنیف

"الشیعہ والسنہ اردو"

کی کتابت مکمل ہو چکی ہے۔ انشاء اللہ العزیز ماہ دسمبر کے اخیر میں اس کی طباعت بھی مکمل ہو جائے گی۔ بقیہ تصنیفات کا ترجمہ بھی کیا جا رہا ہے۔

ادارہ

جنگل میں منگل

کہا تو یہی جاتا ہے کہ ۱۹۶۵ء کو جامعہ سلفیہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا اور جامعہ اپنی عمر کے تیسرے سال ۱۹۵۸ء میں اپنی بلڈنگ میں منتقل ہو گیا لیکن اس بے در و دیوار بلڈنگ کی صحیح کیفیت وہی لوگ جانتے ہیں جنہوں نے اسے بچشم خود دیکھا ہے۔ چھتوں سے محروم چند ٹوٹی ہوئی دیواریں جن پر جامعہ سلفیہ کی عمارت کی تہمت تھی یا چند ایک ڈھانچے کمروں کے تھے جو عرصہ سے دروازوں اور کھڑکیوں کو ترس رہے تھے۔ زندگی کی ہر سہولت سے محروم زمین کا یہ ٹکڑا دور دور تک پھیلے ہوئے صحرا کا ایک حصہ تھا جس کی کل کائنات میں ریت کے ٹیلوں اور خود رو خاردار جھاڑیوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا برسات کے بعد بعض لوگ بارانی کی فصل بو لیتے باقی سارا سال زمین خالی پڑی رہتی گرمیوں میں جب گرم اور تیز ہوا چلتی تو اس میں کانٹے دار جھاڑیاں اور ریت کی کافی مقدار شامل ہو جاتی تیز آندھی میں جو کیفیت ہوتی ہوگی اس کا اندازہ آپ بآسانی لگا سکتے ہیں۔ ان دنوں نماز کے لیے کوئی باقاعدہ جگہ نہیں تھی ریت کے فرش پر کھلے میدان میں ہمارے شیخ امام گوندلوی ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے بارہا ایسا ہوتا کہ عین دوران نماز تیز آندھی ریت اور جھاڑیوں سے مسلح ہو کر ہم پر حملہ کر دیتی کانٹوں کی چبھن اور ریت کے ذرات کا آنکھوں پر حملہ ہم اب تک نہیں بھولے لیکن ہمارے شیخ کی کیفیت بالکل مختلف تھی جب وہ نماز میں کھڑے ہو جاتے تو وہ گرد و پیش کے حالات سے کافی حد تک لاتعلق ہو جاتے شدید ترین آندھی میں بھی ان کے خشوع و خضوع اور معمولات میں کبھی فرق نہیں آیا نہ تو انہوں نے ان حالات سے متاثر ہو کر کبھی قرأۃ مختصر کی اور نہ سجدہ اور رکوع میں جلدی کی بلکہ نماز کے بعد نوافل اور وظائف کا جو معمول تھا اس میں بھی کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ بہرحال یہ دوسرا موضوع ہے۔ تو میں ذکر کر رہا تھا کہ ہمارے شیخ اور ان کے رفقاء نے کن حالات میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے خلوص اور مقصد سے جنون کی حد تک لگاؤ نے کسی طرح جنگل میں منگل کا سماں پیدا کر دیا۔ منگل کا یہ سماں کسی خوبصورت بلڈنگ اور دلفریب باغ سے نہیں بلکہ اس نفس قدسی کا فیض تھا جس کی طرف تشنگان علم کھچے ہوئے چلے آتے تھے۔ جہاں نہ چھتے کی مسجد تھی اور نہ انار کا درخت جس کے نیچے بیٹھ کر ارباب دیوبند نے اپنے مدرسہ کا آغاز کیا تھا۔ برسات کا موسم بھی اپنے ساتھ بڑی

پریشانیاں سے کرآتا طوفانِ باد و باراں کی صورت میں کھڑکیاں اور دروازے نہ ہونے کے باعث اکثر سامان بھیگ جاتا حتیٰ کہ جسم پر پہنے ہوئے کپڑے بھی محفوظ نہ رہتے۔ ایک دفعہ تو بڑی ہی تکلیف دہ صورت پیدا ہو گئی مولانا شریف اللہ مرحوم کے صاحبزادے اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ جامعہ سلفیہ میں تشریف لائے تھوڑی دیر بعد تیز اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی طلبہ نے کھڑکیوں اور دروازوں کے سامنے کپڑے تان کر ان معزز مہانوں کو بارش سے بچانے کی پوری کوشش کی لیکن اوپر کے کھلے روشندانوں نے یہ کوشش بھی ناکام کر دی اس بلائے ناگہانی سے مولانا کے بچے خاصے پریشان ہوئے واپسی کے وقت مستورات کے کپڑوں سے بھی پانی ٹپک رہا تھا۔

وسائل کی کمی

اوپر جن حالات کا میں نے ذکر کیا ہے یہ جامعہ سلفیہ کی انتظامیہ کے پیدا کردہ نہیں تھے بلکہ ان کا سبب وسائل کی کمی تھی اس سلسلے میں ہمارے اکابر بے بس تھے منصوبہ ہی اتنا بڑا تھا کہ اس کے تعلیمی اخراجات سے بہت کم رقم بچتی تھی جو تعمیر کی مد میں خرچ کی جاتی اس لیے تعمیر کا سلسلہ ابتدائی سالوں میں زیادہ ہی سست رہا جس کی وجہ سے اساتذہ اور طلبہ کو ان دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے یہ حالات بطور شکوہ نہیں بلکہ دورِ حاضر کے نازک مزاج طلبہ اور مرفہ الحال اساتذہ کے لیے موعظۃً بیان کیے ہیں جن کے لیے خوبصورت عمارتیں اور زندگی کی ساری سہولتیں میسر ہیں لیکن تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں دونوں کی حالت ناقابلِ یقین حد تک افسوسناک ہے نہ اساتذہ میں پڑھانے کا جذبہ ہے نہ طلبہ میں پڑھنے کا داعیہ شاید اسی لیے کہا گیا ہے بڑی عمارتیں شاذ و نادر ہی بڑے آدمی پیدا کرتی ہیں۔ ہمارے شیخ نے انتہائی نامساعد حالات میں مسلسل کئی سال جامعہ سلفیہ کی ٹوٹی پھوٹی دیواروں کے سائے میں بیٹھ کر طلبہ کو درس دیا اور کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے طلبہ نے شیخ کا پورا پورا اتباع کیا۔ ان کی اول اور آخر توجہ حصولِ علم پر مرکوز رہی شیخ کی برکت سے یہ شدائد و مشکلات اپنی حیثیت کھو چکے تھے اور طلبہ نے حضرت کی صحبت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ حضرت کے اس دور کے تلامذہ کی واضح اکثریت اس وقت علمی دنیا میں اپنا خاص مقام رکھتی ہے۔

حضرت کا ذوق عبادت اور طلبہ پر اس کے اثرات

حضرت امام گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ذوق عبادت کی دولت سے خوب خوب نوازا تھا آپ کی روحانی کیفیت بڑی بلند تھی۔ نماز کا وقت قریب آتا تو آپ بے چین ہو جاتے ہمیشہ اذان سے ذرا پہلے مصلی پر جا کر بیٹھ جاتے تکبیر اولی کے فوت ہونے کا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوا جماعت ہمیشہ خود کراتے جماعت سے فارغ ہو کر کافی دیر ورد و وظائف میں مشغول رہتے آپ جماعت کے بعد نمازیوں کے ساتھ مل کر دعا کرنے سے عموماً پرہیز کرتے تھے البتہ دعوات مسنونہ کے بعد آپ کبھی کبھی ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے جس میں بعض نمازی جو اس وقت تک موجود ہوتے شریک ہو جاتے آپ ان کو روکتے نہیں تھے۔

تہجد کے شروع سے ہی آپ پابند تھے جس میں باقاعدہ قرآن پاک کے کئی پارے روزانہ تلاوت فرماتے اور آپ کا یہ معمول آخر تک رہا۔ رمضان کے مہینے میں یہ مقدار اور بھی بڑھا دیتے حضرت کی وفات سے کچھ دن بعد موضع کھوکھر کی گوجرانوالہ کے ایک بزرگ اسماعیل صاحب نے مجھے بتایا کہ تقریباً ۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے میں اپنے سسرال گوندلانوالہ گیا رمضان کا مہینہ تھا میں تراویح کے لیے حضرت حافظ صاحبؒ کی مسجد میں چلا گیا آپ نے اس دن آٹھ رکعت میں دس پارے قرآن پاک پڑھا میں نے حیران ہو کر لوگوں سے پوچھا کہ آج کیا بات ہے حافظ صاحب نے اتنا قرآن پڑھا ہے تو لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت کا ہمیشہ کا معمول ہے آپ رمضان میں ہمیشہ دس قرآن پاک ختم کرتے ہیں اور لوگ پورے ذوق شوق سے شریک ہوتے ہیں۔

اگرچہ حضرت حافظ صاحبؒ نے کبھی بھی طلبہ کو وعظ کے رنگ میں تہجد اور نماز باجماعت کی تلقین نہیں کی تھی لیکن آپ کے اسوہ حسنہ اور ذوق عبادت کی خوشبو نے جامعہ کی پوری فضا کو معطر کر دیا تھا۔ لڑکوں کی معقول تعداد باقاعدہ تہجد گذار بن گئی۔ صبح کی نماز کے بعد اکثر لڑکے تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتے نماز باجماعت کا شوق فزوں تر تھا تکبیر اولیٰ کے حصول کے لیے طلبہ کی کوشش قابل رشک تھی بلکہ صف اول میں جگہ کا حصول ایک مسئلہ تھا۔ پہلی صف میں صرف وہی لڑکا جگہ حاصل کر سکتا جو اذان سے پہلے وہاں پہنچ جاتا اذان کے بعد نماز کی جگہ جانے والے لڑکے کے لیے پہلی صف میں جگہ کا حصول تقریباً ناممکن تھا۔ مغرب کے بعد کھانا کھا کر عام طور پر لڑکے اپنے دوستوں کے ساتھ جامعہ کے ارد گرد

چہل قدمی کے لیے نکل جاتے اس دوران عشاء کی اذان ہوتی تو دوستانہ سیر و تفریح اور پیار و محبت کے جذبات پر نماز کی کشش غالب آجاتی اذان کے بعد جامعہ سے باہر ایک ایک لمحہ بے چینی کا باعث ہوتا۔

ایک صوفی کی آمد

گوجرانوالہ کے قریب کوٹ بھوانی داس ایک گاؤں ہے جہاں حضرت حافظ صاحبؒ کے عقیدت مند ایک صوفی صاحب رہتے تھے معلوم نہیں وہ زندہ ہیں یا اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں مجھے اس وقت ان کا نام یاد نہیں رہا ان کی عمر اس وقت ستر سال کے قریب تھی۔ یہ بزرگ حضرت صاحبؒ کی زیارت کے لیے جامعہ سلفیہ میں تشریف لائے اور کئی دن وہاں رہے۔ ذکر و فکر ان کا خاص شغل تھا جس میں انہوں نے فن کی حد تک ترقی کی ہوئی تھی ان کی توجہ میں حیرت انگیز تاثیر تھی انفعالی طبیعت والے آدمی کا دل چند منٹوں میں جاری کر دیتے تھے۔ توجہ کے لیے یہ صرف لفظ (اللہ) کا ورد کراتے تھے۔ یہ رات کے وقت اندھیرے کمرے میں بیٹھ جاتے جہاں اور بھی کئی لڑکے بیٹھ جاتے تعداد پر کوئی پابندی نہ ہوتی لیکن ایک وقت میں صرف ایک لڑکے کی طرف متوجہ ہوتے لڑکے کو سامنے بٹھا لیتے اور اپنی شہادت کی انگلی اس کے دل پر رکھ کر اسے کہتے کہ (اللہ) وہ اللہ کہتا یہ بھی کہتے پہلے آہستہ آہستہ پھر ذرا اونچی آواز میں اسی طرح وہ آدمی بھی اللہ اللہ اللہ کہتا جاتا چند منٹوں کے بعد صوفی صاحب کی آواز چیخ میں بدل جاتی یہی کیفیت سامنے بیٹھے توجہ حاصل کرنے والے پر طاری ہو جاتی وہ بے ہوش ہو جاتا صوفی صاحب خاموش ہو جاتے اور وہ بے ہوشی کی حالت میں اللہ اللہ کرتا رہتا میں اور ایک اور لڑکا اس کو ہاتھوں پر اٹھا کر باہر چارپائی پر ڈال دیتے اور اس کی زبان سے مسلسل اللہ اللہ کی آواز نکل رہی ہوتی اس کے بعد دوسرا پھر تیسرا غرضیکہ کئی لڑکے اس کی توجہ سے خاصے متاثر ہوئے صوفی صاحب کا کمرہ گویا آپریشن روم تھا جس سے ہم آدمیوں کو اٹھا اٹھا کر باہر لاتے رہے۔ ان شدید متاثر ہونے والوں میں صوفی محمد اکبر خادم خاص حضرت حافظ صاحبؒ۔ مولوی محمد ادریس صابر آف کچہ پکہ ضلع قصور اور مولوی محمد اسحاق ولٹو جھوک دادو طور والے اب تک مجھے یاد ہیں صوفی اکبر پر تو زیادہ ہی اثر ہوا ان پر عموماً نماز کی حالت میں یہ کیفیت طاری ہو جاتی صوفی صاحب

کے جانے کے کافی عرصہ بعد میں نے جامعہ سلفیہ میں فکر آخرت کے موضوع پر خطبہ جمعہ دیا تو صوفی اکبر پر پھر وہی کیفیت طاری ہو گئی اور کافی دیر کے بعد انہیں ہوش آیا۔ مولوی اسحاق وٹو کو ہم چھیڑنے کے لیے ان کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے زور سے اللہ اللہ کی آواز نکالتے تو ان پر وجد طاری ہو جاتا۔

یہ سب کچھ حضرت حافظ صاحبؒ کے علم میں تھا نہ تو آپ نے صوفی صاحب کو اس سے منع کیا اور نہ ہی طلبہ کو اس سے روکا بلکہ آپ کا ارشاد تھا کہ یہ چیزیں بطور تمرین کی جائیں تو حرج نہیں اگر انہیں دین سمجھ کر کیا جائے تو بدعت ہے۔ صوفی صاحب بھی یہی کہتے تھے۔

فنا فی الجاموس

انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو مختلف قوتیں رکھی ہیں ان میں ایک قوت متخیلہ بھی ہے اس میں انسان اپنی قوت متخیلہ پر کنٹرول کر کے دوسرے انسان کی قوت کو متاثر کرتا ہے جس سے دوسرا انسان خیالی اور وہمی اعتبار سے ایک چیز محسوس کرتا ہے بلکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے لیکن حقیقتہً اس کا خارجی وجود نہیں ہوتا اور یہی چیز بہت سے بے علم صوفیاء کی گمراہی کا باعث بنی ہے۔ ہمارے شیخ حضرت حافظ صاحبؒ اس سلسلہ میں بڑی دلچسپ باتیں بتایا کرتے تھے۔ اصطلاحات صوفیاء میں جو فنا فی الشیخ وغیرہ کے لیے تمرینات کا چکر ہے اس کے متعلق حضرت حافظ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بھی قوت متخیلہ کی تمرین ہے۔ ضروری نہیں کہ شیخ ہی ہو جس چیز میں چاہیں آپ فنا ہونے کی پریکٹس کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک پیر نے مرید کو کہا جاؤ بھینس میں فنا ہونے کی مشق کرو مرید کچھ دن مشق کر کے پیر کے حجرے میں آیا کہ حضور میں نے مشق کر لی ہے پیر نے کہا نہیں دوبارہ کرو ابھی تم کامیاب نہیں ہوئے۔ مرید دوبارہ فنا فی الجاموس کی مشق کرنے لگا کچھ دن کے بعد پیر کے پاس آیا اور حجرے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پیر نے کہا آؤ اندر بیٹھ جاؤ مرید بولا حضرت اندر کیسے آؤں سینگ دروازے سے گذرنے نہیں دیتے۔

پاکیزہ رزق کے اثرات

ذکر و فکر کے متعلق بعض اوقات حضرت حافظ صاحبؒ اپنے متعلق بھی بعض واقعات

بیان فرمایا کرتے۔ ایک دفعہ دوران درس آپ نے فرمایا کہ ایک بار میں نے کسی شخص کو ذکرو افکار سے متعلق کچھ وظائف بتائے اس کی طبیعت کچھ زیادہ ہی انفعالی تھی ذکر کے غلبہ کی وجہ سے اس کی نماز میں خلل واقع ہونے لگا اور اس کے معمولات میں عدم توازن کی صورت پیدا ہو گئی۔ میں نے اس کا علاج اس طرح کیا کہ اسے کہا جاؤ بازار سے کوئی میٹھی چیز لے کر کھاؤ ایک دو دن میں اس کیفیت کی تیزی میں کمی واقع ہو گئی اور وہ عدم توازن دور ہو گیا۔

حضرت کی مجلس کی اثر آفرینی

حضرت حافظ صاحبؒ کو علم اور اس کے ساتھ عمل اور ذکر و فکر کے جس اعلیٰ مقام پر اللہ تعالیٰ نے سرفراز فرمایا اس کا صحیح ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں کچھ عرصہ آپ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اور جامعہ سلفیہ کے طلبہ کو یہ موقع نصیب ہوا کہ حضرت کئی سال تک ان میں گھل مل کر رہے اور آپ کا قیام جامعہ میں طلبہ کی طرح ہی تھا اور آپ کھانا بھی وہی کھاتے جو طلبہ کے لیے پکتا تھا پانچوں وقت کی نماز آپ خود پڑھاتے تے مغرب کے بعد عشاء کی نماز تک طلبہ آپ کے کمرہ میں بلا تکلف جا سکتے تھے بظاہر یہ مجلس آپ کی ٹانگیں دبانے کے لیے ہوتی لیکن اس وقت آپ کے پاس بیٹھ کر اور آپ کی باتیں سن کر جو طبیعت میں سکون اور یاد خداوندی کے لیے دل میں جذبہ پیدا ہوتا وہ ایک ایسی کیفیت تھی جس کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں جو قلم کی زبان پر لا کر اس کی صحیح تعبیر کر سکوں۔ کیف و مستی کی وہ مجلسیں اب کہاں

ع— آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

جامعہ سلفیہ کا مثالی دور

جامعہ سلفیہ کے شروع کے چند سال تاریخ میں ہمیشہ سنہری دور سے تعبیر کیے جائیں گے اس کے آسمان علم میں حضرت گوندلویؒ کی ذات اگر قطب کی حیثیت رکھتی تھی تو علامہ عبدہ اور مولانا شریف اللہ صاحبؒ اس کے نجوم تھے۔ مولانا عبدہ صاحب مطلع سے غائب ہوئے تو ان کی جگہ کچھ عرصہ بعد مولانا عبدالغفار حسن صاحب نمودار ہوئے جنہوں نے اپنی فطری شرافت اور متفنا طیسی شخصیت سے ماحول کو اچھا خاصا متاثر کیا اور حضرت حافظ صاحبؒ کی پیدا کردہ روحانی فضا کو مزید گہرا کیا اور اس کے ساتھ آپ نے لڑکوں میں عربی ادب کا

ذوق پیدا کرنے میں کامیاب کوشش کی جس کے نتیجہ میں طلبہ کے اندر، عربی زبان کے ساتھ اچھی خاصی مناسبت پیدا ہوگئی۔ طلبہ نے ایک مجلس بھی قائم کی جس کا نام الحفلة الادبیة تجویز ہوا میں اس کا پہلا سیکرٹری جنرل تھا۔ اس مجلس کے اسبوعی اجلاس ہوتے جن میں طلبہ صرف عربی زبان میں تقریریں کرتے اور عام طور پر مولانا ہی اس کی صدارت کرتے۔ مولانا عموماً دوران درس اصل کتاب سے ہٹ کر کسی اخلاقی یا علمی موضوع پر گفتگو شروع کر دیتے جس میں طلبہ بھی شریک ہو جاتے اس گفتگو کا طلبہ پر بڑا گہرا اثر ہوتا اور اس سے طلبہ کی کردار سازی میں بڑی مدد ملتی جامعہ میں جب غیر علمی فضا کا غلبہ ہوا تو مولانا بھی یہاں سے چلے گئے کئی سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں مدرس رہنے کے بعد اب پاکستان میں تشریف لے آئے ہیں اور فیصل آباد میں غالباً حکیم عبدالرحیم اشرف کے مدرسہ میں پڑھاتے ہیں۔

اس دور میں جامعہ کی انتظامیہ بھی نہ صرف علم دوست بلکہ صاحب علم تھی جامعہ سلفیہ کمیٹی میں اہل علم کی کثرت بلکہ اکثریت تھی جس کے صدر حضرت سید محمد داؤد غزنوی تھے جن کی ذات پر علم و عمل کو ناز تھا آپ خود صاحب ذوق تھے اصحاب ذوق کی قدر کرتے تھے اسی لیے آپ نے اس دور کے اساطین علم کو جامعہ میں جمع کر دیا تھا جس سے جامعہ میں روحانیت کی ایک چھوٹی سی دنیا آباد ہو گئی جس کی آبیاری میں اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ صاحب کا کافی دخل ہے۔

مولانا محمد حنیف ندوی مدظلہ کے حضرت امام محمد گوندلوی کے متعلق خیالات

مولانا ندوی حضرت حافظ صاحب کے پرانے تلامذہ سے ہیں اس وقت آپ کی عمر ۸۰ سال کے قریب ہے۔ ۲۷ جولائی ۱۹۸۵ء کو میں نے حضرت مولانا سے ان کے گھر ملاقات کی میرے ساتھ اہل حدیث یوتھ فورس کے نوجوان صدر محمد خاں نجیب اور اہل حدیث یوتھ فورس کے سیکرٹری جنرل قاضی عبدالقدیر خاموش بھی تھے دراصل یہ نوجوان مولانا ندوی سے اہل حدیث یوتھ فورس کے کل پاکستان کنونشن کے لیے کسی نشست کی صدارت اور ایک مقالہ کے خواہش مند تھے۔ یہ کنونشن ۱۴۔ ۱۵ اگست ۱۹۸۵ء کو ۲۵ شاہ جمال یعنی جمعیت اہل حدیث کے مرکزی دفاتر میں ہو رہا ہے۔ مولانا نے صدارت اور مقالہ دونوں کا وعدہ فرمایا لیکن وہ مقالہ لکھ کر نہیں پڑھیں گے بلکہ زبانی گفتگو کریں گے۔